ڈاکٹر اختر شمار*

نذیر قیصر کی کائناتِ غزل

Abstract: *Nazir Qaiser is one of the popular modern romantic poet of Urdu and Punjabi languages. Nazir Qaiser started writing poetry regularly around 1958. His first poetry collection published in 1968.His senior contemporary poets were Sofi Tabassum ,Faiz Ahmad Faiz ,Nasir Kazmi Munir Niazi and Ahmad Nadim Qasmi .He has written more than twelve books of poetry .Love and beauty of Nature are prominent aspects of his poetry .He is great admirer of Nature. In this article, his content and style is being analysed in the prospective of his contemporary era. Particularly he is influenced with Nasir Kazmi ,so a comparative study have been exercised between these two prominent contemporary poets as well.*

نذیر قیصر ، عصر حاضر کے مقبول جدید اور ایک رومانٹک شاعر ہیں ، انہوں نے شاعری کا آغاز ۱۹۵۸ ء میں کیا جبکہ ان کاپہلا شعری مجموعہ ۱۹۶۸ ء میں شائع ہوا۔ اس دور میں ان کے معاصرین میں صوفی تبسم ،فیض احمد فیض ، ناصر کاظمی ، منیر نیازی ،احمد ندیم قاسمی اور دیگر کئی اہم شاعر شامل تھے۔اب تک نذیر قیصر کی درجن بھر شعری کتب منظر عام پر آچکی ہیں۔محبت اور حسن فطرت کی کشیدہ کاری ،ان کے خاص مضامین ہیں۔وہ حسن فطرت کے قصیدہ خواں محسوس ہوتے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں، ناصر کاظمی سے متاثر اس شاعر کا معاصر شاعری کے تناظر میں محاکمہ کیا گیا ہے

نذیر قیصر سے پہلاتعارف ملتان میں ہوا تھا۔ میں اور اطہر ناسک ان دنوں شعری ریاضت کے دور سے گزر رہے تھے ۔ ۔نذیر قیصر اپنی نئی شاعری کا پھریرا لیے ادبی میدان میں نمایاں نظر آرہے تھے۔ان دنوں ان کا شعری مجموعہ ''آنکھیں چہرہ ہاتھ ''مقبول ہو چکا تھا۔یہی نہیں ان کا پنجابی شعری مجموعہ'' زیتون دی پتی ''اور اردو شاعری کا اہم حوالہ ''گنبدِ خوف سے بشارت '' بھی مشہور ہو چکا تھا۔ان کے کئی اشعار زبان زدِ عام ہو چکے تھے۔اور اسی بنا پر وہ ہمیں بہت پسند تھے۔وہ نوجوانوں سے ہمیشہ ہی محبت کرتے رہے ہیں۔ملتان میں ان سے اکثر ملاقاتیں رہیں مگر اُن دنوں وہا ں کے مشاعروں میں بہت کم شریک ہوتے۔ پھر وہ لاہور چلے آئے۔ان کے چند اشعار ہمارے حافظے میں محفوظ تھے:

* صدرِشعبہ اردو ،ایف سی کالج یونیورسٹی،لاہور

؎ خواب تھے رات کے پیالے میں
اور پیالہ الٹ گیا مجھ سے

؎ آنکھیں چہرہ ہاتھ لیے پھرتا ہوں میں
کیا کیا اپنے ساتھ لیے پھرتا ہوں میں

ہم جب لاہور آئے تو حیرت ہوئی یہاں بھی نذیر قیصر ادبی سکرین سے غائب تھے۔ایک دو بار میں اور اطہر ناسک، ماڈرن کالونی کوٹ لکھپت ان سے ملنے بھی گئے مگر وہ اس وقت مین اسٹریم سے کٹے ہوئے تھے یا پھر انہیں دانستہ نظر انداز کیا جارہا تھا۔حالانکہ اپنے شعری لہجے اور اپنی مقبول شعری تصانیف کی بدولت ان کا نام اہم تھا۔

ان کے شعری مجموعوں کے حوالے سے فیض احمد فیض ،احمد ندیم قاسمی ،احسان دانش ،ناصر کاظمی ،منیر نیازی،قتیل شفائی ،سجاد باقر رضوی،بانو قدسیہ اور کئی دوسرے اہم تخلیق کار اُن کی شاعری کو سراہنے والوں میں سے تھے۔نذیر قیصر ذرائع ابلاغ سے دانستہ دور کر دیئے جانے کے باوجود شاعری میں اپنا نیا رنگ اور لہجہ بنا چکے تھے۔ان کا نام غزل کے گھٹن زدہ اور قدرے قدیم و بوسیدہ لب و لہجے سے الگ دمک رہا تھا۔نذیر قیصر کا شعری مجموعہ" آنکھیں چہرہ ہاتھ " جون ۱۹۶۸میں شائع ہوا۔یہ وہ زمانہ ہے جب نئی شاعری کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔اور کئی دیگر شعرا بھی جدید انداز میں شعر کہہ رہے تھے۔ " آنکھیں چہرہ ہاتھ" کا دیباچہ جیلانی کامران نے لکھا ،جس میں انہوں نے کہا:

"دو تین برس پہلے میرا تعارف نذیر قیصر کی غزلوں سے ہوا۔اس وقت نئی غزل کا تصور بہت دھندلا تھا۔غزل اپنے مروجہ درسی مفاہیم میں بری طرح گرفتار تھی اور اس صنفِ سخن پر گفتگو کرتے ہوئے عموماًمعاملا تِ عشق کو مرکزی اہمیت دی جاتی ہے۔بعض کا خیال تھا میر تقی میر کو اس زمانے میں از سرِ نو متعارف کرنا نئی غزل لکھنے کی ایک صورت ہے۔جو لوگ اس بات کو نہیں مانتے تھے وہ کہتے تھے کہ مذہب اور تصوف کی اشارتی زبان کو غزل کی روایت میں سموکر وہ مقصد پورا ہو سکتا ہے جو نئی غزل سے وابستہ ہے۔" آگے چل کر جیلانی کامران نذیر قیصر کی غزل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نذیر قیصر کی غزلوں میں سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ ان کی دنیا دشتِ وحشت کی دنیا نہیں ہے۔یہ صفت بے حد مقدس اور قیمتی ہے۔کیونکہ غزل کو دشتِ وحشت سے رہائی دلانا آسان کام نہیں تھا۔نذیر قیصر کی شعری دنیا میں تجربے کا جمود ٹوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔پہلی

بار انسان اپنے آپ کو کائنات کی بارگاہ میں جاگتا ہوا محسوس کرتا ہے۔جو سوالات نذیر قیصر نے پوچھے ہیں اور جن تجربوں سے اس کا سابقہ پڑا ہے ایسے ہیں جو ہر اعتبار سے نئے ہیں اور ان کے نئے ہونے کا انعام ان فکری تحریکوں کے حصے میں بھی آتا ہے جو اس زمانے میں ادب و فکرمیں ظاہر ہورہی ہیں۔نذیر قیصر کی غزلوں میں ایک نیا انسان ظاہر ہورہا ہے اور ایک نئی دنیا واضح ہو رہی ہے۔درختوں ،پھولوں ،خوشبوؤں ،موسموں اور شاخوں میں جھانکتا ہوا انسانی چہرہ ایک نئی صداقت ہے اور یہ صداقت ہمارے دور کی غالباً سب سے بڑی سچائی ہے اسے زمین کے ساتھ ایک نیا تعلق کہہ کر بھی پکارا جا سکتا ہے۔'' (۱)

جیلانی کامران کی کہی ہوئی باتوں نے نذیر قیصر کی شاعری کا عرق نکال کر دکھادیا۔اگر چہ اسی شعری مجموعہ میں دیگر نامورشعرا کی آ راء بھی شامل ہیں مگر جیلانی کا مران کا تجزیہ شاعر کے باطنی نظام سے روشنا س کراتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے لکھا'' : نذیر قیصر غیر معمولی شدتِ احساس کا شاعر ہے اس کا کلام پڑھتے ہوئے کبھی کبھی تو یہ خوف دامن گیر ہو جاتا ہے کہ کہیں اس نوجوان اور ذہین شاعر کے دماغ کی نسیں نہ پھٹ جائیں۔''(۲)

احمد ندیم قاسمی نے نذیر قیصر کی علامت نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''نذیر قیصر کی علامتیں صرف زمینی ہی نہیں ،انسانی ہیں۔علامت نگاری کے موجودہ اندھیرے میں دھوپ کی حیات بخش چمک کے مترادف ہیں ۔ان علامتوں سے نذیر قیصر نے ایسی مہارت سے کام لیا ہے کہ علامت کی مدد سے موضوع چمک اٹھتا ہے اور قاری شعر میں علامت سے مرعوب ہونے کی بجائے براہِ راست شعر سے متاثر ہوتا ہے۔ ''(۳)

اسی مجموعے میں نذیر قیصر کے کچھ دیگر سینئر شعراء کے تاثرات بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ آگے چل کر نذیر قیصر کی شعری کائنات کے حقیقی ماحول اور فضا سے متعارف ہوا جاسکے۔ہم سب جانتے ہیں کہ نذیر قیصر نے لڑکپن کے ایام ناصر کاظمی کی صحبت میں بسر کیے۔نذیرقیصر اور اسلم انصاری دونوں اس وقت ابھرتے ہوئے شاعر تھے۔دونوں کو ناصر کاظمی کی شفقت میسر تھی۔۔ناصر کاظمی نے نذیر قیصر کے بارے میں مختصر رائے دی مگر اس میں بہت بڑی سچائی اور گہرائی ہے ،آگے چل کر ناصر کاظمی کی پیش گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی:

ان کا کہنا تھا '' : نذیر قیصر کتابی شاعر نہیں اس کی شاعری کے ماخذ فطرت کی کھلی کتاب میں بکھرے پڑ ے ہیں''(۴)

نذیر قیصر کے ذاتی حالات ،واقعات پر نظر ڈالی جائے تو آپ ۵ جنوری ۱۹۴۵ء کو بھارت کے شہر ہوشیار پور میں پیدا ہوئے ۔ (۵)

ان کے والد یو این او فورس کا حصہ تھے ۔گویا اس سرکاری ملازمت کے دوران میں وہ کسی ایک شہر میں نہیں رہے ۔قیام پاکستان سے کچھ ماہ قبل ہی ان کا تبادلہ جہلم ہو چکا تھا۔یہاں ننھے نذیر قیصر کو آرمی اسکول میں داخل کرایا گیا مگر حساس طبیعت نے اسے آرمی ڈسپلن میں ٹھہرنے نہ دیا۔وہ خود ان دنوں کے کے بارے میں لکھتے ہیں :

"مجھے آرمی اسکول میں داخل کرایا گیا مگر حیوانی تربیت سے گھبرا کر اسکول چھوڑ دیابعد میں مجھے کا نونٹ اسکول میں داخل کرادیا گیا۔" (۶)

ان کا بچپن جہلم میں گزراجسے وہ اب بھی بہت یاد کرتے ہیں۔نذیر قیصر اکثر جہلم چھاؤنی کے بنگلہ نمبر ۹ کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔یہ بنگلہ انگریزوں کا بنایا ہوا تھاجو5/6 کنال کے رقبے پر مشتمل تھا۔دریا کی قربت ،درختوں ،شاخوں، پھولوں، پرندوں، گھونسلوں اور سرسبز شاداب علاقوں کے نقوش، ان کے ماضی میں اب بھی روشن ہیں۔نذیر قیصر بتاتے ہیں بچپن میں انہیں پرندے ،پھول ،درخت گھونسلے اور کتوں کے پلے بہت پیارے لگتے تھے۔چھاؤنی کے علاقے میں سڑک کنارے، پیڑ، پھول، گھاس اور اس گھاس پر کبھی کبھی شاخوں میں بنے گھونسلوں سے پرندوں کے انڈے یا بچے گرتے دکھائی دیتے تو وہ انہیں دوبارہ گھونسلوں میں رکھنے کی کوشش کرتے۔"(۷)

دریا کنارے آباد اس شہر کی چاندنی راتیں بلکہ وہ سارا منظرنامہ ان کی شاعری کا ابتدائی میٹریل ہے جس پر آگے چل کر ان کی شعری کائنات کی عمارت تعمیر ہوئی۔کسی بھی شخص کا بچپن اس کی یادوں میں خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔بچپن جس شہر، گاؤں یا علاقے میں گزرا ہو اُس کے ذہن کی اسکرین سے کبھی غائب نہیں ہوتا بلکہ بچے انہی گلیوں کے خواب زیادہ دیکھتے ہیں۔یعنی بچپن کا زمانہ ہم اپنے خوابوں سے کبھی کھرچ نہیں سکتے۔یہ حسین یادیں فنکار کے تخلیقی سفر میں زادِ راہ کی علامت ہوتی ہیں۔نذیر قیصر کی شاعری کا لینڈ سکیپ خاص طور پر اس کی امیجری ،اوپر بیان کردہ منظر نامے سے الگ نہیں کی جاسکتی۔نذیر قیصر جہلم سے ملتان چلے گئے۔اپنی تعلیم کا باقی حصہ وہاں مکمل کیا۔پھر لاہور آگئے۔ مختلف رسائل جرائد سے بھی منسلک رہے۔مطالعے اور مشاہدے نے انہیں پختہ فکر شاعر بنادیا تھا۔آغاز میں لاہور کی ادبی فضا انہیں بہت راس آئی۔انہیں صوفی تبسم ،فیض احمد فیض،منیر نیازی، سجاد باقر رضوی، جیلانی کامران ،قتیل شفائی،اشفاق احمد،بانو قدسیہ، جیسی شخصیات کی صحبتیں میسر آئیں۔یہی نہیں ناصر کاظمی کی ادبی سرپرستی بھی ان کے لیے بے حد فائدے مند رہی۔

ادب کے ان دمکتے ستاروں میں رہ کر نذیر قیصر کی ادبی شخصیت میں نکھار آیا۔ان صحبتوں نے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔وہ اپنے لب و لہجے سے پہچانے جانے لگے تو یہاں ان کے بعض ہم عصر احباب اور ہم عصر حاسد بن کر ان کی راہ کی دیوار بھی ہوئے۔بظاہر انہیں میڈیا سے دور کرنے کی سازش بھی ہونے لگی مگر نذیر قیصر نے چپ کا روزہ رکھ کر ریاضت جاری رکھی۔اسی عرصہ میں وہ دوبارہ ملتان گئے اور پھر لاہور آگئے۔اور اب تک یہیں ہیں۔ ہم اس سارے تناظر میں نذیر قیصر کے تخلیقی سفر کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں ۔

کہا جاتا ہے کہ ہر دور کی شاعری اپنے موضوعاتی نظام کی بدولت جو اس کی وسعت میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے ،پسندیدگی کا درجہ اور مقام حاصل کرتی ہے۔ہر شاعر اپنے ارد گرد سے اپنے لیے تخلیقی ماحول کشید کرتا ہے۔نذیر قیصر کی والدہ بچپن میں ہی وفات پا گئیں۔والدنے دوسری شادی نہ کی۔اسکول کی ٹیچر اور سسٹر سے انہیں ماں جیسی محبت ملی۔ ملتان میں ان کا لڑکپن گزرا، شاعری کا باقاعدہ آغاز بھی انہوں نے 1958 میں کیا۔اپنے ابتدائی دور کے حوالے سے وہ ایک انٹرویو میں کہتے ہیں:

> ''اُن دنوں ملتان کی ادبی فضا بہت اچھی تھی۔یہاں کشفی ملتانی،ریاض انور ،عرش صدیقی،عاصی کرنالی،ارشد ملتانی جیسے اچھے لکھنے والے موجود تھے۔جن کی رفاقتوں کا مجھ پر بہت گہرا اثر پڑا۔اور حیرت کی بات ہے کہ میرے مطالعے میں سب سے پہلے جو دو کتابیں آئیں وہ بائیبل اور دیوانِ غالب تھیں''۔(۸)

میں سمجھتا ہوں نذیر قیصر کا بچپن لڑکپن اور پھر جوانی، جن جن شہروں میں گزری ،ان علاقوں کے اثرات بھی ان کی شاعری میں تلاش کیے جاسکتے ہیں ۔ان کی شاعری کے گیارہ مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔جن میں نو(۹)اردو اور ۲ پنجابی شاعری کے ہیں۔ اپنی شاعری کے بارے میں ان کااپنا خیال یہ ہے کہ:

> ''پرندے،جانور ،درخت ،پیڑ پھول دریا ،چاند، چراغ وہ مواد ہے جس سے میری شاعری نے جنم لیا۔اور شاید آج بھی میری شاعری کے بنیادی عناصر یہی عناصر فطرت ہیں۔مگر میں سوچتا ہوں کہ اگر کائنات سے یہ رشتہ قائم نہ ہوتا توشاید میری شاعری نہ ہوتی اور نہ میں ہوتا۔میں سمجھتا ہوں معاشرے میں شاعر کا ہونا بہت ضروری ہے''۔(۹)

ایک فطری شاعر کی شخصیت کے باطن میں بھی ایک باغ ہوتا ہے۔خوابوں ،خیالوں ،جذبوں ،پھولوں ،پرندوں اور خوشبوؤں کا باغ۔شاعر اپنی شاعری میں بھی جو بیل بوٹے اور نقش بناتا ہے وہ اپنے قاری کو بھی اس کی سیر کراتا ہے۔نذیر

قیصر کی شاعری ایک ایسا البم ہے ،ایسا نگار خانہ ہے جس میں فطرت کی ان گنت تصاویر دیکھی جاسکتی ہیں۔یہ وہ تصویریں ہیں جن میں ڈوب کر ابھرنا دشوار ہو جاتا ہے اور قاری ایک عجیب کیف اور سرشاری سے ہمکنار ہوتا ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

؎ گلیاں اداس کھڑکیاں چپ دَر کھلے ہوئے
اکتا گیا ہوں میں تو یہ سب دیکھتے ہوئے ۔(۱۰)

؎ خوشبو و رنگ آب و ہوا ساز و خامشی
کیا قافلے ہیں دشتِ خلا میں رکے ہوئے (۱۱)

؎ کچھ پوچھتی ہیں پیڑوں کی سر سبز ٹہنیاں
کچھ کہہ رہے ہیں راہ میں پتے گرے ہوئے (۱۲)

؎ پھر گھومتی ہے گلیوں میں برسات کی ہوا
پھر کھڑکیوں میں کھلنے لگے ہیں گلاب سے(۱۳)

؎ بارش ہوئی تو بیٹھ گئے گرد کی طرح
آندھی چلی تو مثل شجر سرسرا لیے (۱۴)

؎ مرے اندر پرندے اُڑ رہے ہیں
گلی میں آسماں ٹھہرا ہوا ہے (۱۵)

؎ ہم بھی موسم کے پرندے ہوتے
ہم بھی اس شہر سے ہجرت کرتے (۱۶)

نذیر قیصر فطرت میں ڈوبا ہوا شاعر ہے۔وہ ہواؤں ،پرندوں ،پھولوں ،چاند، ستاروں ،دریاؤں، گلیوں کی باتیں کرتا ہے۔یوں لگتا ہے کہ وہ اس فضا میں خود کو تلاش کرنے کی سعی کررہا ہے جس سے وہ کبھی بچھڑ گیا تھا۔اس کی شعری علامتوں میں معانی کے جہان آبادہیں۔کہا جاتا ہے علامتیں انفرادی اور اجتماعی منطقوں میں اپنی کثیر الجہات معنویت کو ایک دوسرے میں منعکس کرتی ہیں۔نذیر قیصر کے سارے احساسات و جذبات ،افکار و خیالات اور نظریات انہی علامتوں میں لپٹے نظر آتے ہیں۔یہاں وہ اپنے سنیئر ناصر کاظمی سے متاثر دکھائی دیتے ہیں ۔

؎ جب تو پہلی بار ملا تھا
میں نے تجھے پہچان لیا تھا ۔

؎ عشق وہ مکتب تھا جس میں
رونا ہنسنا سیکھ رہا تھا ۔

؎ راستے میں ہجر کا ستارہ تھا
شام نے ہمیں کہاں ملا دیا ۔

؎ بارش تیرے جیسی ہے
جنگل میرے جیسا ہے ۔

؎ گھر میں رات اکیلی ہے
صحن میں رات کی رانی ہے ۔

؎ شام کے پیچھے شام کھڑی تھی
پیڑ کے پیچھے پیڑ کھڑا تھا ۔

؎ میں وہ پچھلے پہر کا جھونکا ہوں
دستک دیتا پھرے جو بند مکانوں پر ۔

ان اشعار کو پڑھ کر ناصر کاظمی کی یاد آتی ہے،ان کے ہاں بھی اس طرح کے مضامین اکثر ملتے ہیں :

؎ میں جب تیرے گھر پہنچا تھا
تو کہیں باہر گیا ہوا تھا ۔

؎ تیرے گھر کے دروازے پر
سورج ننگے پاؤں کھڑا تھا ۔

؎ لال کھجوروں کی چھتری پر
سبز کبوتر بول رہا تھا ۔

؎ سرخ چناروں کے جنگل میں
پتھر کا اک شہر بسا تھا (۱۷)

کچھ اور اشعار اور ان کا فکرو اسلوب ملاحظہ ہو :

؎ میں ایک چھپا ہوا خزانہ
لوگو مجھ کو پہچانو (۱۸)

؎ نقش ہے تو تو آنکھ پر کھل جا
اور نغمہ ہے تو سنائی دے (۱۹)

؎ یا تو خود آب و گل سے باہر آ
یا مری فکر کو رسائی دے (۲۰)

؎ میں کیا ہوں آئینہ لوحِ آب و گل کیا ہے
کیا ہے کس نے مجھے آشکار کس کے لیے (۲۱)

؎ زمیں پہ سبزہ ء گل آسماں میں شمس و قمر
لکھے ہیں کس نے یہ نقش و نگار کس کے لیے (۲۲)

غور کریں تو نذیر قیصر کے ایسے بہت سے اشعار میں ایسے سوالات بھی اٹھائے گئے ہیں جن پر تفکر کرنے سے انسان اپنی اصل تک رسائی حاصل کرنے کا سراغ حاصل کر سکتا ہے۔غو ر وفکر ، تدبر اور اپنے آپ کو کھوجنے اور تلاشنے کا عمل ہی آگہی کی منزل سے ہمکنار کرتا ہے۔بظاہر فلسفیانہ رنگ میں رنگے یہ افکار در اصل شاعر کے باطنی احساسات کا پر تو ہیں جو اسے بے چین بے قرار رکھتے ہیں۔

مجھے نذیر قیصر کے ہاں کہیں کہیں انکشافِ ذات کا گماں ہوتا ہے۔اس نے آگہی کے شعور کو محبت کے روپ میں دیکھا ۔در اصل عرفان بھی ایک منزل ہے جو تصوف کی راہ پرآتی ہے اور تصوف بھی اپنی پہچان کا ایک راستہ ہے۔ہندوستانی فلسفہ کے مطابق بھی موجوداتِ کائنات عناصر خمسہ سے تشکیل پائی ہے۔یہ عناصر، آگ، پانی، زمین ، ہوا اور آسمان ہیں اور کسی حدتک یہی پانچوں عناصر کسی نہ کسی طور پر حیات کی نہ صرف تشکیل و تعمیر کرتے ہیں بلکہ ان کی پرداخت کا فریضہ بھی سر انجام دیتے ہیں۔ماحولیات محفوظ ہوں تو زندگی بھی محفوظ سمجھی جاتی ہے۔ماحولیات کا توازن ہی

دائرہ حیات کو کنٹرول میں رکھتا ہے۔اس میں ذرا سا بگاڑ بھی حیاتِ انسانی کو انتشار اور مصیبت سے دوچار کر دیتا ہے۔قران حکیم میں بھی قدرتی وسائل کے استعمال اور ان کی حفاظت کی تلقین کی گئی ہے۔

نذیر قیصر کے ہاں فطرت کے مناظر ہمیں محبت سے ہمکنار کرتے ہیں۔شاعر کی بارش، دریا ،چاند،ہوا،کی عکاسی تفکر پر مائل کرتی ہے۔وہ خود کو فطرت ہی کا ایک حصہ تصور کرتا ہے۔انسان بھی ہوا ،پانی ،مٹی ،آگ جیسے عناصر کا مجموعہ ہے۔غور کریں تو نذیر قیصر کی شاعری جہاں ایک طرف فطرت کی تصویروں سے مزین نظر آتی ہے وہیں اس کے گہرے علائم رموز میں ازلی صداقت سے روشناس ہونے میں مدد دیتی ہے۔بعض اشعار میں وہ استفہامیہ انداز لیے فطرت کی پرتیں کھولتا ہے کہیں وہ محبت کے متنوع رنگوں کو موضوع بناتا ہے ۔کہیں اس کی تشبیہات ،استعارات اور نادر تراکیب جذبوں کی زبان بنتے دکھائی دیتے ہیں۔

ے ننگے پاؤں چل رہا تھا ماہتاب
کوئی نیند سے چونکا نہ تھا (۲۳)

ے ہلتے ہیں کشتیوں کی طرح گھر ہوا کے ساتھ
یہ شہر پانیوں میں کہیں تیر تا نہ ہو (۲۴)

دیکھا جائے تونذیر قیصر کا اپنا ایک شہر ہے۔یہ محبتوں کا شہر ہے۔اس شہر میں کہیں اس کا محبوب بھی رہتا ہے۔نذیر قیصر مجاز سے حقیقت کی منزل کا مسافر ہے۔اس کی شاعری میں ایک جیتا جاگتا اور زندہ محبوب دکھائی دیتا ہے۔اور کہیں اس محبوب کے عشق میں وہ خودکو تلاشنے کی منزل کا راہی لگتا ہے۔وہ عشق حقیقی کی جاودانی منزل پر اپنے خیال کی روشنیاں بکھرتا چلا جاتا ہے۔شعروں میں وہ گزری ساعتوں سے اپنے لمحہ موجود تک کی ”ہڈبیتی“کو موضوع بناتا ہے۔وہ تن کو حجرا کر کے اپنی مٹی میں شعلے سے ہمکنار ہوتا ہے۔وہ جانتا ہے کہ لہو میں رات جاگنے لگے تو وصل مسکرا اٹھتا ہے۔وہ من و تو کی تکرار کی بجائے بس دیدار کی لذت میں چپ کا روزہ رکھتا ہے۔یہ وہ مقام ہے جہاں سایا ،سائے کو نہ صرف یہ کہ دیکھ سکتا ہے بلکہ چھو بھی سکتا ہے۔

ے میلا ہے یا اجلا سائیں
تن ہے تیرا حجرا سائیں (۲۵)

وندھ لیا اپنی مٹی میں
میں نے اپنا شعلہ سائیں (۲۶)

جاگ رہی ہے رات لہو میں
وصل ہے پہلا پہلا سائیں (۲۷)

دیکھ رہے ہیں اک دوجے کو
تیرا میرا سایا سائیں (۲۸)

نذیر قیصر کے ہاں امن،محبت،انسان دوستی کے اشارے بھی ملتے ہیں ۔وہ دھرتی پر ظلم ،ناانصافی اور خون بہتا نہیں دیکھ سکتا۔ایک بہاریہ شخصیت ،جو پھولوں ،پرندوں، جانوروں اور فطری مناظر میں خوش رہے وہ بھلا آس پاس قتل و غارت اور ظلم کیسے دیکھ سکتی ہے۔

نذیر قیصر دھیما لہجہ رکھتا ہے۔وہ شدت پسند نہیں ،محبت پسند ہے۔وہ انسان کو خوش اور پر سکون دیکھنے کا خواہاں ہے۔وہ دھرتی کا مغنی ہے۔ کبھی وہ ایک ایسا پیڑ لگتا ہے جس کی جڑیں گہری مٹی میں جبکہ اس کی شاخیں ، آفاق میں پھیلی نظر آتی ہیں۔ کبھی وہ دیکھتا ہے کہ دھرتی کے چاروں سمت چار چراغ جل رہے ہیں تووہ پانچواں چراغ جلانے کی آرزو کرتا ہے۔میں سمجھتا ہوں پانچواں چراغ وہ خود ہے۔جو ارد گر د کے ظلم و سمت پر چراغ پا ہو کر کڑھ رہاہے،جل رہا ہے اور گا رہا ہے وہ کہتا ہے:

۔ مٹی سے کچھ خواب اگانے آیا ہوں
میں دھرتی کا گیت سنانے آیا ہوں (۲۹)

چار دیئے تیری دہلیز پہ روشن ہیں
ایک دیا میں اور جلانے آیا ہوں (۳۰)

شعلہ ہے چار طرف تلواریں ہیں
میں شعلے سے آگ چرانے آیا ہوں (۳۱)

تونے تیغ سے لہو کی بوند گراتی تھی
میں دھرتی سے پھول اٹھانے آیا ہوں (۳۲)

اسے اپنے ماضی سے شدید محبت ہے ۔فکری سفر میں وہ بچپن کی گلیوں میں اپنی معصومیت تلاش کرنے نکلتا ہے ۔کیا کیا دیکھتا ہے ،سوچتا ہے اور بولتا ہے:

؎ روتے روتے ہنستے ہنستے
باندھ لیے بچوں نے بستے (۳۳)

؎ یاد تھی اس کو میری سالگرہ
چاند نکلا تو وہ چھت پر آیا (۳۴)

؎ انہی گلیوں میں اس کو کھویا تھا
انہی گلیوں میں ہم بھی کھو جائیں (۳۵)

؎ کہیں چراغ کہیں راستے نہیں ملتے
ہم ایک شہر میں رہتے ہوئے نہیں ملتے (۳۶)

حجاب ہے کہ محبت کی انتہا قیصرؔ
بچھڑتے وقت بھی دونوں گلے نہیں ملتے (۳۷)

شاعری میں مطالعہ مشاہدہ اور ذاتی میلان بھی کام آتا ہے۔ایسے میں جب ہم نذیر قیصر کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ اپنے سینئر ناصر کاظمی کے رنگ و اسلوب سے بھی متاثر دکھائی دیتے ہیں۔کسی شاعر کے اسلوب سے متاثر ہوتا کوئی عیب ہر گز نہیں۔بعض اوقات غیر محسوس طریقے سے بھی ایک شاعر اپنے کسی بھی پسندیدہ شاعر سے مرعوب اور متاثر ہو جاتا ہے ،صحبتوں کے اثرات سے بھی انکار ممکن نہیں۔نذیر قیصر، ناصر سے مرعوب ہوئے مگر انہوں نے اپنا ڈکشن مختلف رکھا۔ان کے شعروں میں جدید طرزِ احساس ہے۔انہوں نے پھولوں، پرندوں، بارشوں ،درختوں اور خوابوں کو اپنے زاویہ نظر سے دیکھا اور برتا ہے۔اس نے ناصر کاظمی ،احمد مشتاق ، ظفر اقبال اور شہزاد احمد سے بالکل الگ اپنا راستہ بنایا ہے۔نذیر قیصر کی غزلوں میں زندگی کی سی بوقلمونی ضرور ہے مگر اس کے استعارے اور علامات ،نئی تازہ اور متاثر کن ہیں۔

بارش نذیر قیصر کو بہت پسند ہے۔مختلف شعروں میں اس نے بارش کو کئی ڈھنگ سے برتا ہے۔بارش میں چھتری ،کسی کا ساتھ،پناہ،عافیت اور رومانوی احساس ان کے شعروں میں ایک خاص چاشنی پیدا کرتا ہے۔

؎ جل رہے ہیں چراغ بارش میں
سونے والے کو نیند پیاری ہے (۳۸)

؎ اور بھی تیز ہوئی بارش
اک چھتری میں آنے سے (۳۹)

؎ تم چاہو تو پیڑوں کی چھتری کے نیچے
بارش کے رکنے تک ساتھ ٹھہر سکتے ہو (۴۰)

شعروں میں ناصر کاظمی کا سا سہل ممتنع کا نمونہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

؎ زندگی بھی خوبصورت چیز ہے
بس کسی سے پیار ہونا چاہیے (۴۱)

عشق وہ مکتب تھا جس میں
رونا ہنسنا سیکھ رہا تھا (۴۲)

؎ ایسی راتیں بھی آتی ہیں
میرے ساتھ خدا ہوتا ہے (۴۳)

نذیر قیصر کے اشعار میں اکیسویں صدی کے انسان کا کرب بھی نمایاں محسوس کیا جاسکتا ہے ۔اس دور کے انسان نے خواہشوں، خوابوں اور آرزوؤں کی گٹھڑی سر پر اٹھائے ،اپنے آپ کو ہلکان کر رکھا ہے ۔ جس کے سبب بے چینی اور انتشار اس کے لہو میں رواں دواں ہیں۔

سر پر جو گٹھڑی ہے اس کا بوجھ نہیں
گٹھڑی میں جو سپنا ہے وہ بھاری ہے(۴۴)

نوبت جب یہاں تک پہنچ جائے تو دل کو خواہشوں کی الائشوں سے پوتر کرنے کی سعی کرنی چاہیے۔جب انسان اندر باہر سے یکساں اور یکسو ہوجاتا ہے تو اسے اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس ہونے لگتا ہے ۔ باطنی طور جب ہم مثبت ہوتے ہیں تو سکون اور شانتی ہمارے لہو میں گھل کر ہمیں سرشار کر دیتی ہے ۔پھر انسان پیکر محبت بن جاتا ہے ،اور بقول نذیر قیصر:

دنیا اچھی لگتی ہے رب اچھا لگتا ہے
اچھی آنکھوں والوں کو سب اچھا لگتا ہے(۴۵)

نذیر قیصر ایک فطری شاعر ہے ،وہ اپنی دھن میں تخلیقی سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ بس کہیں کہیں بعض اوقات اس کی شاعری میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک آنچ کی کمی رہ گئی ہے ۔ فکری حوالے سے تو نہیں البتہ فنی معاملات میں خاص طور ہر ہندی اوزان ،فعلن فعلن کی بحر میں جناب ظفر اقبال کی طرح ان سے بھی کوتاہی ہو جاتی ہے ، پیالہ یا پیالے کو بھی شروع میں تو انہوں نے درست برتا جیسے :

خواب تھے رات کے پیالے میں
اور پیالہ الٹ گیا مجھ سے (۴۶)

بعد میں انہوں جس جگہ بھی" پیالہ " برتا اسے " پالے " کے وزن پر باندھا جو کہ اساتذہ کے ہاں جائز نہیں سمجھا جاتا، آتش کا شعر ملاحظہ ہو :

کسی نے مول نہ پوچھا دلِ شکستہ کا
کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا(۴۷)

نذیر قیصر کا برتاؤ دیکھیں :

تو دریا ہے تیرے کنارے
پڑا ہے خالی پیالہ سائیں (۴۸)

یہاں " پڑا " بھی کھٹکتا ہے۔

مٹی میری ہے باس اس کی ہے
میرے پیالے میں پیاس اس کی ہے(۴۹)

کس کو معلوم مرے ہاتھوں میں
پیالہ آیا کہ سمندر آیا (۵۰)

اسی طرح کچھ اور اشعار میں بھی مصرعے ساقط الوزن ملتے ہیں:

چاند چڑھے تو چاند کو دیکھے
رکا ہوا بارش کا پانی (۵۱)

کس نے دیا جلایا سائیں
میں ہوں دیئے کا سایا سائیں(۵۲)

دریا رکا ہوا تھا قیصر
بہتی ہوا نے کشتی کھولی (۵۳)

خاموشی میں بہتا ہوا
نغمہ ہے کہ دریا ہے (۵۴)

یہاں ''کہ'' کو کر کے وزن پر باندھا گیا ہے جو درست نہیں سمجھا جاتا۔

دن کے خالی پیالے میں
آسمان رہ جاتا ہے(۵۵)

مصرعہ ثانی بحر سے خارج ہو گیا ہے۔

اور یہ غزل تو ساری ہی کم از کم میری سمجھ سے بالا تر ہے ۔ :

ایک بار سے زیادہ بھی محبت ہو سکتی ہے
کسی سے بے ارادہ بھی محبت ہو سکتی ہے
جیسے آسانی سے بارش ہونے لگتی ہے
بارش جیسی سادہ بھی محبت ہو سکتی ہے
جیسے برستے پانی کی دو بوندیں مل جاتی ہیں
ایسے بے ارادہ بھی محبت ہو سکتی ہے
یہ بھی سچ ہے تم کو مجھ سے بہت محبت ہے
لیکن اس سے زیادہ بھی محبت ہو سکتی ہے
یہ بھی سچ ہے وصل کچھ ایسا مشکل کام نہیں ہے
اور اس پر آمادہ بھی محبت ہو سکتی ہے
یہ بھی سچ ہے شعلہ لبوں سے چومنا مشکل ہے
شعلے کا لبادہ بھی محبت ہو سکتی ہے
آج بھی خاک میں رنگ و نور محبت سے ہے
آئندہ کا وعدہ بھی محبت ہو سکتی ہے (۵۶) ۔

محبت میرا موسم ہے

وزن کی ان کوتاہیوں کے باوجود میں یہی کہوں گا کہ نذیر قیصر ایک فطری شاعر ہے اور اس کی شاعری کا ذائقہ دوسروں سے قدرے مختلف ہے۔اس کے ہاں مٹھاس کا رس بھی ہے اور نمک بھی۔محسوس کریں تو وہ درد کا مصور ہے۔اس کے ہاں شعری جمالیات کا ایک نگار خانہ ہے، ایک رنگا رنگ البم میں وہ خود کہیں محبت کے گیت گاتا نظر آتا ہے۔کہیں کائنات میں ڈوبا اپنی کھوج کا مسافر۔مجھے وہ اپنی وضع کا ایک بالکل اچھوتا اور ماڈرن شاعر لگتا ہے۔جس کی شعری جمالیات ، کائناتِ سخن میں کہکشاں کی صورت دیکھی جاسکتی ہیں۔

حوالاجات:

۱۔ جیلانی کامران، دیباچہ آنکھیں چہرہ ہاتھ مکتبہ کائنات سوہانہ بازار لاہور ۸ جون ۱۹۶۸ء ص ۱۴۔
۲۔ احمد ندیم قاسمی، آنکھیں چہرہ ہاتھ،فلیپ۔
۳۔ ایضاً ۔
۴۔ ناصر کاظمی، آنکھیں چہرہ ہاتھ ،فلیپ۔
۵۔ فرزانہ جاناں انٹرویو نذیر قیصر مشمولہ سہ ماہی کہکشاں انٹر نیشنل راولپنڈی اگست ۲۰۱۸ء،ص۱۰۳۔۔
۶۔ عظمیٰ سلیم انٹر ویو نذیر قیصر مشمولہ تسطیر راولپنڈی اگست ۲۰۱۸ء،ص۱۱۱۔۔
۷۔ ایضاً ،ص۱۱۱۔ ۸۔ ایضاً ،ص۱۱۲۔ ۹۔ ایضاً،ص۱۱۲۔
۱۰۔ آنکھیں چہرہ ہاتھ، مکتبہ کائنات سوہا بازار لاہور ۸ جون ۱۹۶۸ء،ص۱۲۔
۱۱۔ ایضاً ،ص۱۲۔ ۱۲۔ ایضاً ،ص۱۲۔ ۱۳۔ ایضاً ،ص۱۲۔ ۱۴۔ ایضاً ،ص۴۰۔
۱۵۔ محبت میرا موسم ہے، سانجھ پبلی کیشنز مزنگ روڈ لاہور ۲۰۱۳ء،ص۱۶۰۔
۱۶۔ ایضاً ،ص۱۶۰۔
۱۷۔ ناصر کاظمی، پہلی بارش مکتبہ خیال لاہور ۱۹۷۵ء،ص۴۰ ۔
۱۸۔ آنکھیں چہرہ ہاتھ ،ص۱۰۴۔
۱۹۔ ایضاً ،ص۶۴۔ ۲۰۔ ایضاً،ص۶۴۔
۲۱۔ ایضاً ،ص۱۷۔
۲۲۔ ایضاً ،ص۱۸۔ ۲۳۔ ایضاً،ص۵۰۔
۲۴۔ آنکھیں چہرہ ہاتھ ،ص۵۲۔
۲۵۔ اے شام ہم سخن ہو،نذیر قیصر، ادارہ تخلیقات مزنگ روڈ لاہور ۱۹۹۷
۲۶۔ ایضاً ،ص۷۹۔ ۲۷۔ ایضاً ،ص۸۰۔ ۲۸۔ ایضاً ،ص۸۰۔
۲۹۔ ایضاً ،ص۸۵۔ ۳۰۔ایضاً ،ص۸۵۔ ۳۱۔ایضاً ،ص۸۵۔۳۲۔ ایضاً ،ص۸۶۔
۳۳۔ محبت میرا موسم ہے،ص۸۸۔

۳۴۔ ایضاً ،ص۱۰۵۔ ۳۵۔ ایضاً ،ص۹۰۔

۳۶۔ اے شام ہم سخن ہو ،ص۱۰۷

۳۷۔ ایضاً ،ص۱۰۷۔ ۳۸۔ ایضاً ،ص۱۱۰۔ ۳۹۔ ایضاً ،ص۱۹۵۔ ۴۰۔ ایضاً ،ص۱۰۸۔

۴۱۔ ایضاً ،ص۱۰۹۔ ۴۲۔ ایضاً ،ص۶۸۔ ۴۳۔ ایضاً ،ص۱۵۷۔ ۴۴۔ایضاً ،ص۹۲۔

۴۵۔ ایضاً ،ص۹۵۔

۴۶۔ نذیر قیصر، گنبدِ خوف سے بشارت، ادارہ نقطہ نظر ۱۳، قاسم روڈ ملتان جون ۱۹۸۴ء، ص ۱۱۵۔

۴۷۔ خواجہ حیدر علی، دیوانِ آتش، ساہتیہ اکادمی دہلی سن ندارد ،ص۶۴۔

۴۸۔ محبت میرا موسم ہے ،ص۸۰۔

۴۹۔ ایضاً ،ص۱۰۳۔ ۵۰۔ ایضاً ،ص۱۰۶۔ ۵۱۔ ایضاً ،ص۷۷۔ ۵۲۔ ایضاً ،ص۷۸۔

۵۳۔ ایضاً ،ص۱۷۳۔ ۵۴۔ ایضاً ،ص۱۳۴۔ ۵۵۔ ایضاً ،ص۱۶۱۔ ۵۶۔ ایضاً ،ص۱۶۵،۱۶۶۔

☆☆☆☆☆